متنِ قرآن مجید کی حفاظت کے لئے مسلمانوں کی کاوشیں (۲)

ڈاکٹر حافظ محمود اختر

حفظِ قرآن مجید

اس کے ساتھ ہی حفظ قرآن مجید کا اہتمام بھی' حفاظتِ متن قرآن کا ایک ذریعہ ہے۔ حفظ کے اہتمام کے بارے میں "زبدۃ البیان فی رسوم مصاحف عثمان" میں تحریر ہے :

کان دآب الصحابۃ رضی اللہ عنہم عن اول نزول الوحی الی آخرۃ المسارعۃ الی حفظہ [۱۵]

"نزول قرآن مجید کے آغاز ہی سے صحابہ کرامؓ کا معمول تھا کہ قرآن کا جو حصہ بھی نازل ہوتا وہ اسے حفظ کر لیتے"۔

ابن الندیم نے "الفہرست" میں حفاظ صحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی بیان کئے ہیں۔ ان حضرات گرامی کی تعداد بتیس ہے۔ لیکن اس تعداد میں خلفائے راشدین میں سے صرف حضرت عثمان کا ذکر ہے [۱۶]

حضور اکرم ﷺ کے عہد میں ہی لاتعداد صحابہ کرامؓ کے پاس قرآن مجید کے تحریری نسخے بھی موجود تھے اور اسی طرح بہت سے صحابہ کرامؓ نے مکمل قرآن حفظ کر لیا تھا۔ اس کا پتہ کئی ایک شواہد سے چلتا ہے۔ مثلاً احد کی لڑائی میں شہید ہونے والوں کے دفن کے موقع پر کپڑے کی قلت کی وجہ سے ایک ہی کپڑے میں کئی کئی صحابہؓ کو اکٹھے لپیٹ کر دفن کیا گیا۔ اس موقع پر آپ ﷺ فرماتے کہ ان میں سب سے زیادہ قرآن کسے آتا ہے؟ ترمذی شریف میں روایت ہے کہ جسے سب سے زیادہ قرآن یاد ہوتا اسے قبلہ کی جانب رکھا جاتا۔ اس روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حضور ﷺ پوچھتے : ایھم اکثر قرآنا [۱۷]۔

یہاں اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ ان شہداء میں سب کو قرآن یاد تھا' البتہ کسی کو کم اور کسی کو زیادہ یاد تھا۔ اس استفسار سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ صحابہؓ ایک دوسرے کے بارے میں جانتے تھے کہ کس کو کتنا قرآن یاد ہے؟ بیرٔ معونہ کے واقعہ میں ستر حفاظ صحابہؓ شہید ہوئے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس سوسائٹی میں حفاظ کی تعداد کس قدر ہو گی۔ ۱۱ ہجری میں مسیلمہ کذاب کے خلاف ۳۰۰ افراد شہید ہوئے' ان میں سے ستر حفاظ کرام تھے۔

طبقات القراء میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں :

فاما من حفظه كله منهم وعرض على النبى صلى الله عليه وسلم فجماعة من نجباء اصحاب محمد ﷺ انتدبوا قرائة وانتصبوا لادائه فكان من جملتهم سبعة ائمة [18]

"جن لوگوں نے قرآن مجید حفظ کر لیا تھا اور اسے انہوں نے نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش کیا وہ رسول اللہ ﷺ کے ممتاز اصحاب کی ایک جماعت ہے۔ اس نے اپنے کو قراءت کے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ ان میں سے سات نامور شخصیات تھیں جن کے گرد قرآن کی سند گھومتی ہے"۔

ان حضرات میں حضرت عثمان' ابی بن کعب' ابن مسعود' زید ابن ثابت' ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم اجمعین شامل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کا ایک سرکاری اور متفقہ نسخہ تیار کروایا۔ یہ کوئی نئی چیز نہ تھی بلکہ بقول علامہ حارث نحاسبی :

"قرآن کی کتابت عہد صدیق اکبرؓ میں کوئی نئی بات نہ تھی۔ اس کے لکھنے کا حکم خود حضور اکرم ﷺ نے دیا تھا لیکن اس وقت وہ دفاع' اکتاف اور عسیب پر تھا۔ ابوبکر الصدیقؓ نے اسے مرتب طریقے سے یکجا کرنے کا حکم دیا۔ جمع کرنے والوں نے انہیں جمع کر دیا اور ایک دھاگے کے ساتھ اس طرح پرو دیا کہ اس میں سے کوئی حصہ ضائع نہ ہو"۔ [19]

اس موقع پر اعلان عام ہوا کہ جس جس کے پاس قرآن کا کوئی حصہ ہو وہ لے کر آئے۔ اس کا

مقصد یہ تھا کہ سب لوگوں کو اس کا شعوری اور واضح طور پر علم ہو جائے کہ ایک متفقہ نسخہ معرضِ وجود میں آچکا ہے۔ لیکن پھر ایک مخصوص معیار مقرر کیا گیا۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں :

قدم عمر فقال من کان تلقی من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیئا عن القرآن فلیأت بہ' وکانوا یکتبون ذلک فی المصحف والالواح والعسیب وکان لا یقبل من احد شیئا حتی یشھد شھیدان [20]

"حضرت عمرؓ تشریف لائے اور فرمایا کہ جس نے قرآن کا کچھ حصہ نبی کریم ﷺ سے سن کر یاد کیا وہ پیش کرے۔ لوگ ان دنوں قرآن کریم کی آیات کو صحیفوں تختیوں اور کھجور کے پتوں پر لکھا کرتے تھے۔ جب تک دو گواہ شہادت نہ دیتے تب تک آپؓ کسی کی پیش کردہ آیات قبول نہیں کرتے تھے"۔

علامہ سخاوی فرماتے ہیں کہ ان دو گواہوں کا مطلب ہے :

المراد انھما لیشھدان علی ان ذلک المکتوب کتب بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [21]

"اس سے مراد یہ ہے کہ دو گواہ اس بات کی شہادت دیں کہ یہ آیات حضور اکرم ﷺ کے سامنے لکھی گئی تھیں"۔

اس کے باوجود کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ' حضرت عمرؓ' حضرت زید بن ثابتؓ خود حفاظ قرآن تھے' دو گواہیوں کے ملنے کے بعد ہی کوئی حصہ قرآن میں شامل کیا۔ ایک آیت کے بارے میں صرف ایک گواہی مل رہی تھی اور جب مطلوبہ معیار پر گواہی ملی تبھی اسے قرآن میں شامل کیا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جمع قرآن کا یہ کام ایک سال میں مکمل ہوا۔ اسے تمام صحابہ کرامؓ نے بنظر استحسان دیکھا۔ صحابہ کرامؓ دین کے جزئیات کے بارے میں بہت محتاط تھے۔ اگر ذرہ برابر بھی کمی بیشی ہوئی ہوتی تو کوئی صحابی اسے برداشت نہ کرتا۔ یہ بات ہم متعدد واقعات سے سمجھ سکتے ہیں۔

اس گواہی کے بارے میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ دو گواہوں سے حفظ اور کتابت مراد ہے' یعنی ایک گواہ حفظ کے لئے اور ایک گواہ کتابت کے لئے۔ بخلاف ازیں جمہور کے

نزدیک دو عادل گواہ حفظ کے لئے اور دو عادل گواہ کتابت کے لئے ضروری تھے۔ حافظ سخاوی لکھتے ہیں کہ دو گواہ اس بات کی گواہی دیں کہ یہ آیات حضور اکرم ﷺ کے سامنے تحریر کی گئی تھیں۔ [۲۲]

مولانا محمد تقی عثمانی نے عہدِ صدیقؓ میں جمع قرآن کی کارروائی کے معیار کے بارے میں لکھا ہے کہ اُس وقت کوئی شخص قرآن مجید کی کوئی آیت لے کر آتا تو چار طریقوں سے اس کی تصدیق حاصل کی جاتی تھی :

۱۔ سب سے پہلے اپنی یادداشت سے اس کی توثیق کرتے تھے۔

۲۔ فتح الباری کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی آیت لے کر آتا تو اسے حضرت عمرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ مشترک طور پر وصول کرتے۔ گویا یہ دونوں حضرات اپنے حافظہ سے اس کی توثیق فرماتے۔

۳۔ کوئی لکھی ہوئی آیت اس وقت تک قبول نہیں کی جاتی تھی جب تک دو قابلِ اعتبار گواہوں نے اس بات کی گواہی نہ دے دی ہو کہ یہ حضور ﷺ کے سامنے لکھی گئی تھی۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ بظاہر یہ گواہیاں اس بات پر لی جاتی تھیں کہ یہ لکھی ہوئی آیت حضور ﷺ کی وفات کے سال آپ ﷺ کے سامنے پیش کر دی گئی تھی اور آپ ﷺ نے اس کی تصدیق فرمادی تھی کہ یہ ان حروفِ سبعہ کے مطابق ہے جن پر قرآن نازل ہوا۔ علامہ سیوطی کی اس بات کی تائید متعدد روایات سے ہوتی ہے۔

۴۔ اس کے بعد ان لکھی ہوئی آیات کا ان مجموعوں سے مقابلہ کیا جاتا جو مختلف صحابہ کرامؓ نے تیار کر رکھے تھے۔ امام ابو شامہ فرماتے ہیں کہ اس طریق کار کا مقصد یہ تھا کہ قرآن کریم کی کتابت میں زیادہ سے زیادہ احتیاط سے کام لیا جائے اور صرف حافظہ پر اکتفا کرنے کے بجائے بعینہٖ ان آیات سے نقل کیا جائے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں لکھی گئی تھیں۔ [۲۳]

حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کے اشتراک سے ایک ایسا نسخہ مرتب فرمایا جو آئندہ کے لئے ایک سرکاری نسخہ بن گیا۔ وہ تینوں حضرات حافظ

قرآن تھے 'اس کے باوجود انہوں نے تمام صحابہ کرامؓ کو باقاعدہ اعلان کے بعد شامل کیا تاکہ اس نسخہ پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہو جائے۔ اس کارروائی میں بغیر کسی اعتراض کے سبھی لوگ شریک ہوئے۔ صحابہ کرامؓ دینی امور میں بہت حساس تھے۔ ان کا کوئی اعتراض نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس نسخہ پر سبھی لوگوں کا اجماع تھا۔

علامہ زرقانی اس سلسلے میں لکھتے ہیں :

وعلى هذا الدستور الرشيد تم جمع القرآن باشراف ابى بكر وعمر واكابر الصحابة واجماع الامة عليه دون نكير وكان ذلك منقبة خالدة لا يزال التاريخ يذكرها بالجميل لابى بكر فى الاشراف ولعمر فى الاقتراح ولزيد فى التنفيذ وللصحابة فى المعاونة والاقرار[۲۴]

"اس اصول کے مطابق قرآن مجید جمع کرنے کا کام کام مکمل ہوا۔ اس میں حضرت ابو بکرؓ عمرؓ اور اکابر صحابہؓ کی سرپرستی اور نگرانی تھی اور امت نے اس پر اجماع کیا ہے نہ کہ اس کی مخالفت اور یہ ایک دائمی نیک نامی والا کام اور کارنامہ تھا جو تاریخ میں ہمیشہ خوبصورت انداز میں موجود رہے گا کہ ابو بکر صدیقؓ نے اس کام کی سرپرستی کی' عمرؓ نے اس کی تجویز پیش کی' زید نے اس کی تنفیذ کی (عملاً یہ کام سرانجام دیا) اور صحابہؓ نے اس کی معاونت اور تائید کی"۔

حضرت زید کہتے ہیں کہ میں نے قرآن 'عسیب (کھجور کی شاخ اور عام قسم کے درختوں کا وہ حصہ جو تنے سے متصل ہوتا ہے 'لخاف (بیضوی رنگ کے پتھر کی چوڑی تختیاں) اور لوگوں کے حافظے سے جمع کیا۔ اس کا مطلب بھی صرف یہی ہے کہ یہ سب کام اس نسخہ کو مرتب کرنے کے لئے کیا گیا تھا جو خلیفہ وقت کے پاس رکھا جاتا تھا۔ لوگ لکھا ہوا قرآن حضرت زیدؓ کے پاس لاتے تھے۔ زیدؓ کو قرآن زبانی یاد تھا اور ان کے پاس لکھا ہوا بھی موجود تھا۔ پھر بھی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ اپنے حافظے اور مکتوبہ تحریر پر ہی اکتفا نہ کرتے تھے بلکہ اسلامی اصول شہادت کے مطابق اس کی دو گواہیاں لیتے تھے کہ قرآن کا جو حصہ پیش کیا گیا ہے اسے نبی کریم ﷺ سے بعینہ اسی طریق سے سنا گیا تھا۔[۲۵]

آج کی دوڑ دھوپ کی دنیا میں اس احتیاط کا گمان بھی نہیں کیا جاسکتا کہ کسی قول کی

صحت کی تحقیق کے لئے اتنی چھان بین کی ضرورت ہے اور ایسا عملاً ممکن بھی ہے یا نہیں۔ اور پھر اس اہتمام کے ساتھ کہ نہ صرف کہنے والے کا مطلب ادا کر دیا جائے بلکہ بعینہٖ اور بجنسہٖ وہی الفاظ بھی استعمال کئے جائیں اور اس ترتیب اور وقفہ کے ساتھ کہ جس طرح کہنے والے نے کہا تھا اور زبان وحی سے قرآن کا جو لفظ بھی جس طرح ادا ہوا تھا وہ بلا ادنیٰ تغیر ٹھیک اسی طرح ادا کیا جائے۔ یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ اِس وقت تک دنیا کی کوئی کتاب چھوٹی سے چھوٹی یا بڑی سے بڑی ایسی نہیں ہے جس میں اس احتیاط سے کام لیا گیا ہو۔[۲۶]

صحابہ کرامؓ کو قرآن مجید کے ساتھ والہانہ لگاؤ تھا۔ وہ اسے یاد کرتے' بار بار تلاوت کرتے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص کا مشہور واقعہ ہے کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے ایک رات میں قرآن مجید ختم کرنے کی اجازت چاہی تھی جو حضور ﷺ نے نہیں دی۔ قرآن کریم کے نزول کے ساتھ ہی اس کے حفظ اور تعلیم کا کام شروع ہو چکا تھا۔ کئی صحابہ کرامؓ کو مختلف علاقوں میں قرآن مجید کے باقاعدہ معلم بنا کر بھیجا گیا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے معلمین قرآن مجید میں کچھ نمایاں شخصیات کا ذکر بھی فرمایا جن میں مثلاً حضرت زیدؓ بن ثابت اور حضرت ابیؓ بن کعب وغیرہ شامل ہیں۔[۲۷] قرآن مجید کے ساتھ مسلمانوں کا جو والہانہ لگاؤ تھا' اس کی جھلک اس واقعے میں دکھائی دیتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس وقت جب ابھی وہ ایمان نہیں لائے تھے' اپنی بہن سے فرمایا کہ وہ چیز جو تم پڑھ رہی تھیں' مجھے بھی دکھائیں' لیکن ہمشیرہ نے جواب دیا کہ تم طہارت حاصل کئے بغیر اسے چھو نہیں سکتے۔

ان سب شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام لوگ اب قرآن مجید کے مقام اور اس کے احترام سے آگاہ ہو چکے تھے۔ ہر شخص تک قرآن پہنچ چکا تھا جس کی حفاظت وہ دل و جان سے بھی زیادہ کرتا تھا۔ اس صورت حال میں اس کا امکان باقی نہیں رہتا کہ اس کا کچھ حصہ "تدوین صدیقی" سے رہ گیا ہو گا۔

حضرت عثمانؓ کے عہد حکومت میں جب عرب و عجم کے علاقے اسلامی مملکت میں شامل ہو گئے اور ایسے لوگ مسلمان ہوئے جن کی مادری زبان عربی نہیں تھی تو اس صورت

حال میں قرآن کی تلاوت میں ایک مخصوص قسم کا اختلاف دیکھنے میں آیا۔ حضرت عثمانؓ فوراً متوجہ ہوئے اور سرکاری طور پر حضرت زید بن ثابتؓ کی زیر نگرانی ایک ایسا نسخہ تیار کروایا جس کی اصل تو وہی نسخہ تھا جو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے تیار کروایا تھا۔ اس نسخے کی تیاری حضرت زید بن ثابتؓ ہی کی نگرانی میں ہوئی، جنہوں نے اس سے قبل عہد نبوی اور عہد صدیق اکبرؓ میں یہ کام کیا تھا۔ اس موقع پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا : "میری رائے یہ ہے کہ ہم تمام لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کر دیں تاکہ کوئی اختلاف اور افتراق باقی نہ رہے۔" صحابہ کرامؓ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور آپؓ کی رائے کی تائید کی۔[۲۷]

ابن ابی داؤد نے حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے :

لاتقولوا فی عثمان الاخیرًا فواللہ مافعل الذی فعل فی المصاحف الاعن ملأٍ منا[۲۸]

"حضرت عثمانؓ کے بارے میں کلمہ خیر کے سوا کچھ نہ کہو کیونکہ مصاحف کے بارے میں انہوں نے جو کچھ کیا وہ ہمارے مشورے سے کیا"۔

لوگوں میں مشہور ہے کہ قرآن حضرت عثمانؓ نے جمع کروایا لیکن درحقیقت یہ بات درست نہیں۔ انہوں نے تو صرف یہ کیا کہ اپنے پاس موجود ہونے والے مہاجرین وانصار کے باہمی اتفاق رائے سے تمام لوگوں کو ایک ہی وجہ قراءت پر آمادہ بنایا۔[۲۹]

علامہ زرقانی نے لکھا ہے کہ

"حضرت عثمانؓ نے ایک ایسا رسم الخط اختیار کیا جس میں تمام جائز حروف (قرآن کے سات حروف) سما سکیں۔ یعنی ایسا رسم الخط اختیار فرمایا کہ اس کے اختیار کرنے سے ایک ہی لفظ کے تمام حروف میں پڑھنے والے اپنے اپنے حرف کے مطابق پڑھ سکیں۔ یہ اقدام سبعۃ احرف کو محفوظ کرنا تھا نہ کہ انہیں ضائع کرنا"۔[۳۰]

یعنی ایسا رسم الخط اختیار کیا کہ اس میں ساتوں حروف کو لکھنے اور پڑھنے کی گنجائش موجود تھی۔ مثلاً "ننشزھا" کو "نُنۡشِزُھَا" اور "نَنۡشُرُھَا" پڑھنا جائز ہے۔ آپؓ نے "ننشزھا" لکھا۔[۳۱]

مقری اپنی کتاب نفح الطیب میں لکھتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے جو نسخہ تیار کروایا تھا

اس پر یہ الفاظ درج تھے :

هذا ما جمع عليه جماعة من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم منهم زيد ابن ثابت وعبدالله ابن زبير وسعيد بن العاص [۳۲]۔

اس کے بعد دیگر صحابہ کرامؓ کے نام درج ہیں۔

برصغیر کے نامور عالم شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں :

"قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے لیا۔ مشاہدہ سے معلوم ہوا کہ حفاظت خداوندی کا ظہور اس طرح ہوا کہ چند صالح بندوں کے دلوں میں یہ بات ڈالی گئی کہ وہ اس کی جمع و تدوین کی خدمت سرانجام دیں اور تمام دنیا کے مسلمان ایک نسخہ قرآنی پر متفق ہو جائیں اور عظیم جماعتیں اس کی تعلیم و تلاوت میں مشغول رہیں تاکہ سلسلہ تواتر ٹوٹ نہ جائے۔ اس کی تکمیل اس طرح ظہور میں آئی کہ عہد عثمان غنیؓ میں صحابہ کرامؓ کے مشورہ اور اجماع سے تمام مصاحف میں سے ایک مصحف (جو عثمانؓ نے مصحف صدیقؓ سے نقل کر کے تیار کروایا تھا) پر اتفاق کیا گیا جس میں شاذ قراء تیں نہیں لی گئیں بلکہ متواتر قراء تیں ہی لی گئیں اور قبائل عرب کی سات زبانوں (سبعہ احرف) میں سے جن پر قرآن نازل ہوا تھا ایک لغت قریش کو لے لیا گیا اور باقی لغات کے مصاحف متروک کر دیئے گئے۔" [۳۳]

حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ والے نسخہ ہی کو بنیاد بنایا [۳۴]۔ انہوں نے بھی زید بن ثابتؓ کو جو عہدِ نبوی اور عہدِ صدیقی میں کاتب وحی کے طور پر کام کر چکے تھے [۳۶]، اس کام پر مامور کیا۔ اس سلسلے میں ان کی معاونت کے لئے جو کمیٹی بنائی گئی اس کے اراکین بھی بہت دیانتدار اور ماہر قرآن تھے [۳۶]۔

عہد عثمان غنیؓ کے بعد بھی حفاظت متن قرآن مجید میں مسلمان اس قدر محتاط تھے کہ کسی بھی طرح اس میں کوئی گڑبڑ ممکن نہ تھی۔ کتابت اور حفظِ قرآن کا کام کمال احتیاط سے جاری رہا۔ تاریخی طور پر ایسے شواہد ملتے ہیں کہ اگر کسی دور میں کسی نے تحریف کی جسارت کی بھی ہے تو اسے منہ کی کھانی پڑی ہے۔ آئندہ سطور میں ہم ان عوامل کا تذکرہ کریں گے جن کی روشنی میں یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ متن قرآن میں کسی گڑبڑ کا

امکان ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

حواشی

۱۵۔ بحوالہ عبداللطیف رحمانی، تاریخ قرآنی، صفحہ ۶۱
۱۶۔ ابن الندیم، الفہرست، ص ۶۶
۱۷۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، امام۔ الجامع الصحیح، جلد ا، صفحہ ۱۲۱
۱۸۔ سیوطی، جلال الدین، الاتقان، جلد اول، صفحہ ۶۰
۱۹۔ ایضاً، جلد اول، صفحہ ۶۰
۲۰۔ ایضاً، جلد اول، صفحہ ۵۵
۲۱۔ صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، صفحہ ۱۱۰
۲۲۔ ابن حجر عسقلانی، حافظ فتح الباری، جلد نہم، صفحہ ۱۱
۲۳۔ تقی عثمانی، مولانا، علوم القرآن، صفحہ ۱۲
۲۴۔ زرقانی، مناہل العرفان، جلد
۲۵۔ سیوطی، الاتقان، جلد اول، صفحہ ۵۵
۲۶۔ صدیق حسن، سید، جمع تدوین و قرآن، صفحہ ۵۶
۲۷۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، جلد نہم، صفحہ ۱۵
۲۸۔ سیوطی، الاتقان، جلد اول، صفحہ ۶۱
۲۹۔ سیوطی، الاتقان، جلد اول، صفحہ ۶۱
۳۰۔ زرقانی، مناہل العرفان، جلد اول، صفحہ ۲۶۸۔۲۷۲
۳۱۔ ایضاً
۳۲۔ مقری، نفخ الطیب، جلد اول، صفحہ ۳۹۸
۳۳۔ شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، حصہ دوم، صفحہ ۵
۳۴۔ صبحی صالح، مباحث فی علوم القرآن، صفحہ ۱۱۵
۳۵۔ ایضاً
۳۶۔ ایضاً

(جاری ہے)